اقبال کا تصور تخلیق و تسخیر کائنات

سید عطاالله شاہ

ریسرچ سکالر یونیورسٹی آف پشاور

پروفیسر ڈاکٹر سلمان علی

صدر نشین اردو پشاور یونیورسٹی

ABSTRACT:

As we know all branches of humanoid knowledge in the world aim to comprehend God, humanity, and the formation or consideration of the cosmos. Understanding the trilogy of God, humanity, and the universe are profound mysteries about which scholars have offered various, often contradictory, philosophies. The theories of creation and humanity's place in the universe are the central themes of the human understanding. Regarding the creation of human beings , each scholar offers a distinctive perspective of his own.

The renowned poet /philosopher - Dr. Muhammad Iqbal (1877-1938) has also addressed the creation and status of humanity extensively in his poems and prose. Academics and criticizers suggest that Dr. Muhammad Iqbal supported Charles Darwin's Theory of Biological Evolution. Also known as Darwinian theory, it primarily incorporated the wide-ranging beliefs of species transformation or evolution, which gained extensive scientific approval subsequent upon the publication of Darwin's On the Origin of Species in 1859. These theories, some of which predated Darwin's work, were later termed "Darwinism" by English biologist Thomas Henry Huxley in April, 1860. . Etymologically, 'evolution' means 'uncovering.' The Theory of Evolution posits that the universe has evolved from an embryonic state to its current modern form. Nonetheless, researchers contend that Iqbal's

theory of creation upholds that humanity is the only fully developed species in the entire universe.

تخلیق:

تخلیق عربی زبان کا لفظ ہے، جو "خلق" سے مشتق ہے۔ اُردو زبان میں یہ لفظ بہ طورِ اسم، مؤنث استعمال ہوتا ہے۔ تخلیق کے معنی "پیدا کرنا" کے ہیں۔ ریختہ ڈکشنری کے مطابق تخلیق کے معنی یہ ہیں:

"پیدائش، آفرینش، پیدا کرنا، وجود میں لانا"[1]

یعنی کسی چیز کو وجود دینا یا پیدا کرنا تخلیق کہلاتا ہے۔

اسلام ماننے والوں (اقبال) کا یہ عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ مخلوقات میں انسان ہی وہ واحد مخلوق ہے جو عقل و شعور کی وجہ سے سوچتا ہے، غور و فکر کرتا ہے۔ اسی غور و فکر کا نتیجہ ہے کہ وہ اکثر سوال اٹھاتا ہے۔ یہ سوال اس کی اپنی ذات سے متعلق بھی ہوتا ہے اور اس کے ارد گرد پھیلی کائنات کے بارے میں بھی ہوتا ہے۔ یہ سوالات عموماً اس نوع کے ہوتے ہیں؛ میں کون ہوں؟ میں کہاں ہوں؟ میرے ارد گرد پھیلی کائنات کیسے بنی؟ کائنات میں نظام فطرت کا نظم وضبط کیسے ممکن ہوا؟

سوال سے بے چینی، بے چینی سے جواب کی تلاش کی جستجو پیدا ہوتی ہے۔ اسی تلاش میں انسان مختلف نظریات بناتا اور رد کرتا ہے۔ انھیں نظریات کی وجہ سے انسان مختلف گروہوں میں تقسیم ہو جاتا ہے۔ ان گروہوں میں ایک گروہ اسلام کا بھی ہے۔ اسلام اپنی تعلیمات کے لیے اللہ تعالیٰ کے کلام کو بہ طورِ سند استعمال کرتا ہے۔ قرآن مجید میں انسان کی تخلیق کے تمام مراحل کی وضاحت موجود ہے۔ اللہ تعالی قرآن مجید میں فرماتے ہیں:

ترجمہ: "اس نے انسان کو منی سے پیدا کیا"[2]

اسلام سے پہلے اور اسلام کے بعد بھی عام طور پر یہی یقین کیا جاتا تھا کہ ایک بچے کی پیدائش حیض کے خون سے ہوتی ہے۔ یہ عقیدہ خوردبین کی ایجاد تک قائم رہا۔ قرآن اور حدیث کے علم کی وجہ سے مسلمان علماء ہمیشہ اس نظریے کے مخالف رہے ہیں۔ مسلمان علماء کا انسان کی پیدائش کے متعلق نظریہ کچھ اور ہے۔ ان کا ایمان تھا کہ قرآن میں ہے کہ بچہ نر اور مادہ دونوں جنسی رطوبتوں کے ملاپ سے بنتا ہے۔ قرآن پاک میں اس بات کا ذکر اللہ تعالی نے اس طرح بیان فرمایا:

ترجمہ: "اے لوگو! ہم نے تمھیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا"[3]

تسخیر:

تعارف:

" تسخیر " عربی زبان کا لفظ ہے، جو " سخر " سے مشتق ہے۔ اُردو زبان میں لفظ " تسخیر " بہ طورِ اسم، مؤنث استعمال ہوتا ہے۔ اس کے معنی " قبضے میں کرنا " کے ہیں۔ ریختہ ڈکشنری کے مطابق اس کے معنی یہ ہیں:

" تابع کرنا، فرماں بردار بنانا، قبضے میں کرنا، فتح کرنا "(4)

یعنی کسی چیز کو اپنے حکم کے تابع بنانا، تسخیر کہلاتا ہے۔ انسان کی تخلیق کے بعد انسان کے لیے کائنات کی تسخیر سب سے پہلا مرحلہ تھا۔ اللہ تعالی نے زمین پر انسان کی بقا کو ممکن بنانے کے لیے انسان کا یہ مرحلہ بھی آسان کر دیا کہ اللہ تعالی فرماتے ہیں:

"اس نے تمہاری بھلائی کے لیے رات اور دن کو اور سورج اور چاند کو مسخر کر رکھا ہے اور سب تارے بھی اس کے حکم سے مسخر ہیں اس میں بہت سی نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لئے جو عقل سے کام لیتے ہیں "(5)

انسان کی ذہنی بساط کو سامنے رکھتے ہوئے اللہ تعالی کائنات کی تسخیر کی وضاحت بھی کرتے ہیں۔ اللہ تعالی فرماتے ہیں:

"کیا تم لوگوں کی تخلیق زیادہ سخت کام ہے یا آسمان کی؟ اللہ نے اسے بنایا اور اس کی چھت خوب اونچی اٹھائی۔ پھر اس کا توازن قائم کیا اور اس کی رات ڈھانکی اور اس کا دن نکالا۔ اس کے بعد زمین کو اس نے بچھایا۔۔۔۔۔۔"(6)

اقبال قرآن مجید کی آن آیات پر غور و فکر کرتا ہے اور کائنات کے ارتقائی سفر سے زندگی کی بنیادی شعریات اخذ کرتا ہے۔ کائنات میں حرکت و عمل اور نظم وضبط سے اپنا بنیادی فلسفہ (فلسفہ خودی) تشکیل دیتا ہے۔

اقبال کا تصور تخلیق و تسخیر کائنات:

اقبال کی شاعری کے ادوار کو چار حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ اقبال کی شاعری کا پہلا دور ابتداء سے 1905ء تک کا دور ہے۔ ان کی شاعری کا دوسرا دور 1905ء سے 1908ء تک کا ہے۔ اور تیسرا دور 1908ء سے 1924ء تک، جب کہ آخری دور 1925ء سے 1938ء تک ہے۔ ادوار کی یہ تقسیم زمانی اعتبار سے اقبال کی فکر میں ارتقاء ظاہر کرتی ہے۔

اقبال کی شاعری کا بنیادی محور خودی ہے۔ خودی فارسی زبان کا لفظ ہے اور "خود" سے بنا ہے۔ خود کا مطلب "اپنا آپ" یا "میں" ہے۔ جبکہ خودی کے معنی "خودی"، "غرور"، "متکبر" اور "انانیت" وغیرہ کے ہیں۔ خودی سے مراد ہر وہ شے ہے جس پر "میں" کا اطلاق ہو۔

اقبال کے ہاں خودی کا لفظ تکبر و غرور اور انانیت کے حوالوں میں استعمال نہیں ہوا ہے، بلکہ اقبال نے خودی کا لفظ عرفان نفس اور تعین ذات کے معنوں میں استعمال کیا ہے۔ اقبال کے نظام فکر کی اساس ان کا فلسفہ خودی ہے۔ خودی کا لفظ جتنا عام ہے اس کا مفہوم اتنا ہی مبہم ہے، اور اس ابہام کی سب سے بڑی وجہ خود آگاہی اور خود پسندی کے درمیان فرق و تفاوت ہے۔ دراصل خودی ایک بہت سادہ فطری چیز ہے جسے با آسانی عرفان نفس کہا جا سکتا ہے۔ اپنے نفس کی پہچان، اپنی حد میں رہنا، اس کا تزکیہ، اس کی ترقی، شخصیت کی تعمیر، کردار کی تحلیل و تہذیب انسان کا حق بھی ہے اور فرض بھی۔ خودی کی وضاحت اس لیے ضروری سمجھی گئی تا کہ اقبال کے ہاں انسان کے پہچان کے مدارج کی نہ صرف یہ کہ وضاحت ہو سکے بلکہ اسی وجہ سے تسخیر کائنات کو ممکن بناتے ہوئے انسان اور کائنات کے تعلق کی وضاحت ہو سکے۔ خدا، انسان اور کائنات؛ تکون کی شکل میں آفاقی شاعری کی طرح اقبال کے ہاں گھومتی نظر آتی ہے۔ غلام دستگیر رشید اپنی کتاب "حکمت اقبال" میں خدا اور کائنات کے تعلق کی وضاحت کچھ اس طرح کرتے ہیں:

> "حرکت و تغیر خود غرض ہیں ان کو ہم براہ راست محسوس کر سکتے ہیں ان کے محل یا جوہر متحرک و متغیر کا تصور محض عقلی استنباط و اعراض ہے۔ اگر کائنات کی اصل جامد جواہر اور ساکن نا قابل تقسیم اجزاء ہوتے تو ہماری وساطت سے شعور کا تعلق ان سے ہونا چاہیے۔ یہ ہمارے شعوری تجربے کے برعکس ہے اس لیے قرین قیاس اور جدید طبیعاتی مشاہدات سے ہم آہنگ یہی ہے کہ کائنات کی اصل اور اس کا مادہ محض حرکت ہے نہ کہ سکون۔"(7)

کائنات کی اصل (حرکت) اور انسان کی تخلیق کے مدارج پر اقبال اپنے کامل انسان کی اساس قائم کرتا ہے؛ شاید یہی وجہ ہے کہ اقبال موت کو انسان کا خاتمہ نہیں تصور کرتا بلکہ اسے اگلا پڑاؤ سمجھتا ہے۔ ڈاکٹر غلام دستگیر اس حوالے سے فکر اقبال کو اپنا موضوع بناتے ہوئے لکھتے ہیں:

> "حیات بعد الموت الہیات اسلامی کا ایک بنیادی عقیدہ ہے۔ اقبال کے مرشد معنوی مولانا روم بھی اپنی مثنوی میں جا بجا مسئلہ ارتقاء کا ذکر کر کے بتلاتے ہیں کہ انسان ہر فنا کے بعد ارتقا ایک نیا درجہ طے کرتا ہے اور پہلے سے بہتر حالت میں نمودار ہوتا ہے۔"(8)

اس ضمن میں اقبال کے اشعار ملاحظہ ہوں:

موت کو سمجھے ہیں غافل اختتام زندگی

ہے یہ شام زندگی صبح دوام زندگی (9)

موت کے ہاتھوں سے مٹ سکتا اگر نقش حیات

عام یوں اس کو نہ کر دیتا نظام کائنات (10)

اقبال کے ضمن میں درجہ بالا اشعار اور بحث کے نتیجے میں یہ کہنا آسان ہو جاتا ہے کہ اقبال انسان کی تخلیق کو ایک مکمل عمل سمجھتا ہے۔ اس کے خیال میں انسان کی جسم براہِ راست اس کی روح کے ساتھ منسلک ہے۔ جسم کی تطہیر کے لیے روح کی شفافیت پہلا مرحلہ ہوتا ہے۔ اسی لیے اقبال اپنے کامل انسان کے لیے تمام وجودی تقاضوں کی تکمیل کے مختلف مراحل طے کرتا ہے تاکہ جسم اور روح میں ہم آہنگی پیدا ہو کر بہتر معاشرہ تخلیق کیا جاسکے۔

کائنات کی تسخیر میں انسان کا کردار:

اقبال انسان کو اللہ تعالیٰ کی تخلیقات میں سب سے افضل تخلیق (مخلوق) سمجھتا ہے کہ اس کے پاس عقل و دانش کا خزینہ ہے۔ اسی عقل و دانش کی بنیاد پر انسان اپنی زندگی کو آسان سے آسان تر بنانے کی تگ و دو کرتا ہے، اس سلسلے میں وہ روز بہ روز کائنات کے چھپے ہوئے رازوں کو دنیا پر عیاں کرتا ہے۔ اس لحاظ سے تسخیرِ کائنات میں انسان کا کردار کلیدی ہے کہ انسان کی قوت تسخیر فطرت کی پر زور ستائش ہے۔۔ پروفیسر ایم تقی خان اقبال کی فکر کو موضوع بنا کر رقم کرتے ہیں:

> "اس زمانے میں اقبال نے گوناگوں طریقوں سے یہ باور کرانے کی کوشش کی ہے کہ انسان قدرت کا شاہکار اور آفرینش کائنات کا اصل مقصود ہے۔ کائنات کی آرائش و پیرائش اس کے دم سے ہے۔ کائنات کی ساخت میں جو خرابیاں مضمر ہیں اور جو بے آہنگیاں اور فساد اس میں چھپے ہوئے ہیں ان کو دور کرنا اور ان کی اصلاح کرنا ان کا منصبی فریضہ ہے انسان اور بزم قدرت میں قدرت کی زبان سے اس کے منصب اور اس کی ذمہ داریوں کا دوسرے مظاہر سے مقابلہ و موزانہ کیا ہے"(11)

عقل و دانش کی بنیاد پر انسان کے منصب کا تدارک رکھتے ہوئے اللہ تعالیٰ اس کو غور و فکر کی طرف بلاتا ہے تاکہ کائنات کے سربستہ رازوں سے انسان ہی پردہ ہٹائے کہ انسان کائنات کی تخلیق پر سوچنے کے بعد اس کے بنانے والے کا کھوج لگا سکتا ہے، وہ سمجھ سکتا ہے کہ کائنات میں اتنی نظم و ضبط کوئی ایک ذات ہی کر سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

قُل سِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانظُرُوا كَيْفَ بَدَأَ الْخَلْقَ ثُمَّ اللَّهُ يُنشِئُ النَّشْأَةَ الْآخِرَةَ إِنَّ اللَّهَ
عَلَى كُلِّ قَدِيرٌ **(العنکبوت۲۹-۲۰)**

ترجمہ:"زمین کی سیر کرو اور دیکھو کہ ہم نے کس طرح اشیاء کی تخلیق کی ہے۔
اور بے شک اللہ سب چیزوں پر قادر ہے"(12)

وَسَخَّرَ لَكُم مَّا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا مِّنْهُ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ،

(سورت الجاثیہ، آیت ۱۳)

ترجمہ:"اور جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے سب کا سب اپنی طرف سے تمہارے کام میں لگا دیا، بے شک اس میں سوچنے والوں کے لئے نشانیاں ہیں (13)"

اقبال کے ہاں کائنات میں غور و فکر کا عنصر قرآن مجید سے ماخوذ ہے۔ اقبال کائنات کی تخلیق پر نہ صرف یہ کہ سوچتا ہے بل کہ اس کی نمو پر اپنی فکر کی اساس قائم کرتا ہے۔ ڈاکٹر ریحانہ جاوید لکھتی ہیں۔

"جب اس کائنات کی کوئی شے وجود میں نہیں آئی تھی۔ نہ زمین نہ آسمان، نہ چاند نہ ستارے، نہ شجر تھے نہ حجر، نہ صحرا تھے نہ سمندر۔ نہ حیوان تھے نہ انسان، ایک خدا کی ذات تھی اور باقی سب ہو کا عالم۔ ظاہر ہے کہ ایسی سنسان حالت کب تک رہ سکتی تھی۔ ہر تصور اپنی نمود کے لیے بے تاب ہوتا ہے۔ ہر حقیقت، لباسِ مجاز میں آنے کے لیے پیکر اضطراب ہوتی ہے۔ ہر نقش اپنے اُبھرنے کے لیے پیچ و تاب کھاتا ہے۔"(14)

کائنات کی تخلیق کے اسی پہلو سے اقبال اپنی قوم کو اپنی دنیا آپ پیدا کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔ اقبال کا خیال ہے کہ انسان (مسلمان) ہی وہ واحد مخلوق ہے جو زمین کے سیارے کو جنت بنا سکتا ہے۔

تسخیر و تعمیر کائنات اقبال کی فکر کا ایک الگ پہلو ہے جسے زیادہ تر قرآن سے اخذ کیا گیا ہے۔ انسان کو مخلوقات عالم پر جو فضلیت ہے اس کا تقاضا یہ ہے کہ سارے بنی نوع انسان اپنی قابلیتوں کو کام میں لا کر اس حیات دنیوی کو اسلامی اصولوں سے مزین کریں۔ اپنی آسانیوں اور آسائشوں کے لیے قدرت کی نعمتوں سے سرفراز ہونا سیکھیں۔ اقبال نے اس تصور کو بہت خوش اسلوبی سے پیش کیا ہے تسخیر کائنات کا اہم جزو یہ ہے کہ دنیا چند روزہ ہے۔ اور سلسلہ حیات کا بعد از مرگ بھی جاری ہے اور یہ کہ یوم الدین کو سزا و جزا کا ملنا بھی ارادہ ربی ہے اور فطرتِ اعمال ہے۔ اور احسان کا بدلہ احسان اور ظلم کا بدلہ جبر سے دیا جانے والا ہے۔

اقبال کا نظریہ ہے کہ انسان کی تخلیق تو خدا نے کی ہے، لیکن اس کا ارتقا خود اس کی اپنی کوششوں کی مرہون منت ہے۔ اقبال کی شاعری اور نثر دونوں اس امر کا ثبوت مہیا کرتے ہیں کہ انھوں نے ارتقائے انسانی پر بہت زور دیا ہے اور تعلیم قرآن کی روشنی میں اس کا جواب بھی مہیا کیا ہے۔ ارتقا کے بارے میں اقبال کے خیالات بڑے محکم اور منضبط تھے۔ مولانا شبلی نعمانی نے ابن مسکویہ کے نظریہ ارتقا کا جو خلاصہ پیش کیا ہے، اقبال نے مکمل طور پر اس کا جواب دیا ہے۔ اقبال سلسلہ ارتقا میں لامتناہی امکانات کے قائل ہیں۔ ارتقا کی قطعی اور آخری صورت ان کے نزدیک کوئی نہیں ہے۔ تسخیر کائنات کے حوالے سے اقبال کے پیش کردہ امکانات، درج ذیل اشعار کی صورت میں ملاحظہ ہوں:

عروج آدم خاکی سے انجم سہمے جاتے ہیں

کہ یہ ٹوٹا ہوا تارا مہ کامل نہ بن جائے (15)

ہر اک مقام سے آگے مقام ہے تیرا

حیات ذوق سفر کے سوا کچھ اور نہیں (16)

قلزم ہستی سے تو ابھرا ہے مانند حباب

اس زیاں خانے میں تیرا امتحاں ہے زندگی(17)

بال جبریل میں ضمنی طور پر تصور تسخیر کائنات:

بال جبریل میں تسخیر کائنات سے متعلق اقبال فرماتے ہیں۔ کہ یہ دنیائے آب و گلِ انسان کی حیات سے بہت زیادہ قدیم ہے، اور یہ کہ دوسری حیاتیات کی زندگی بھی انسان سے پہلے کی ہے۔ گویا اس پر سب علماء متفق ہے کہ انسان دنیا میں سب مخلوقات کے بعد تخلیق فرمایا گیا ہے۔ اور یہ واحد مخلوق ہے کہ اسے رب کائنات نے علمِ اشیاء سے سرفراز فرمایا ہے۔ زبان بولنے پر قدرت عطا کی، دوسری مخلوقات میں یہ صفت موجود نہیں۔ اس میں اس کے خالق نے اشیاء کی خاصیتوں کو دریافت کرنے کا سلیقہ عطا فرمایا اور دوسری مخلوقات سے سراسر ممتاز بنا کر اسرار کائنات کے کھوجنے کا حوصلہ اور جگر اعطا کیا گویا انسان کو پیدا کر کے خدا نے کائنات کے سب رازوں کو آشکار بنایا اور اپنی ذات کا اظہار کیا۔

اقبال اپنی زندگی میں مختلف کیفیات اور تخلیات کے ساتھ عمیق مطالعہ کا بھی شوق رکھتے، اور یہی وجہ ہے کہ اُنکی نگاہے دور اندیش بہت سی ان دیکھی دنیائیں دکھا دیتی ہیں۔

اسے صبح ازل انکار کی جرات ہوئی کیونکر

مجھے معلوم کیا، وہ رازداں تیرا ہے یا میرا[18]

زبور عجم میں ضمنی طور پر تصور تسخیر کائنات:

علامہ اقبال تسخیر کائنات کے بارے میں "زبور عجم" میں تخلیق کائنات کا تصور کچھ اس طرح بیان کرتے ہیں کہ یہ کائنات بظاہر جس طرح موجود اور مستقل بالذات یا قائم بالذات نظر آتی ہے؛ حقیقت میں یہ نہ تو موجود ہے اور نہ ہی قائم بالذات ہے۔ بلکہ اس کا وجود کسی اور پر موقوف ہے۔ یہ جہان اپنے وجود کے لیے کس مدرک کا محتاج ہے۔ کائنات کا یہ نظریہ دراصل مسلک وحدۃ الوجود کا سنگ بنیاد ہے۔ یعنی تصوریت کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ کائنات میں صرف ایک ہی ہستی اور حقیقت موجود ہے جسے فلسفے کی اصطلاح میں واجب الوجود اور کلام کی اصطلاح میں قدیم اور تصوف کی اصطلاح میں الحق (اقبال کے بقول انائے مطلق) کہتے ہیں۔ چنانچہ دنیا میں جس قدر علماء اس مسلک کے حامی گزرے ہیں وہ سب کسی نہ کسی شکل میں وحدۃ الوجود کے بھی قائل تھے۔ ڈاکٹر جاوید اقبال فکر اقبال کے تناظر میں تحریر کرتے ہیں:

> "بیدل کا نظریہ یہ ہے کہ خارج میں جو کچھ نظر آتا ہے یہ سب میرے دل کے ہی احساسات ہیں، در حقیقت کائنات موجود نہیں ہے۔ یہی بات اقبال نے بھی کہی ہے کہ یہ زمین، یہ دشت، یہ کہسار، یہ چرخ کبود در حقیقت ان میں کوئی شے موجود نہیں ہے۔ بلکہ میری چشم غلط نہیں کا فساد ہے یعنی انسان غلطی سے اپنے احساسات کو خارج میں موجود سمجھتا ہے۔ ورنہ حقیقت یہ ہے کہ ان مظاہر کا کوئی مستقل وجود نہیں ہے۔ یعنی یہ جہان دراصل موجود ہی نہیں ہے، بلکہ انسان کے احساس نے ایک بت کدہ بنالیا ہے۔"[19]

انسانی خودی اور تخلیق کے بارے میں علامہ اقبال کا کہنا ہے کہ تخلیق کا عمل ابھی تک جاری ہے، اور انسان بھی اس کام میں شریک ہے اور اس کی تخلیق میں روز افزوں اضافہ کرتا ہے۔ اقبال نے زندگی کی تخلیقی حرکت کا نظریہ برگساں سے لیا ہے کہ زندگی ایک قوت ہے جو بڑھ سکتی ہے، اپنی بازیابی کر سکتی ہے، اپنے ماحول کو اپنی خواہش کے مطابق بدل سکتی ہے، اسے کوئی مجبور نہیں کرتا بلکہ یہ اس کا آزادانہ عمل ہے زندگی ایک ایسی قوت ہے جو جدوجہد کرتی ہے چاروں طرف پھیلتی ہے اور دنیا کی تخلیق کے عمل میں شرکت کرتی ہے۔

جاوید نامہ میں ضمنی طور پر تصور تخلیق آدم:

اقبال جاوید نامہ میں تغیر کائنات کے بارے میں لکھتے ہیں کہ آدم خلیفہ اللہ بھی ہے اورانسان ہی ہے۔ اس کا لقب "خلیفہ" اس لیے کہ شان الوہیت کا مظہر نام ہے۔ اور "انسان" اس لیے کہ انسان دراصل آنکھ کی پتلی کو کہتے ہیں۔ چونکہ آدم کی خلقت تمام حقائق عالم کو حاوی ہیں، اور وہ حق تعالی کے لیے مردمک چشم ہے۔یعنی حق تعالی آدم ہی کے توسط سے مخلوقات کو دیکھتاہے اور ان کو وجود عطا کرتاہے؛ اس لیے آدم خلیفہ ہونے کے علاوہ انسان بھی ہے۔ وہ مقصود تخلیق ہے۔ کائنات اس کے لئے پیدا کی گئی ہے۔ آدم کی علم اشیاءہی سے فرشتوں پر حق تعالیٰ نے اس کو محترم قرار دیا۔

وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلَي كَةِ إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً قَالُوا أَتَجْعَلُ فِيْهَا مَنْ يُفْسِيَهَا مَنْ يُفْسِيَا الْفَيْدُ فِيْهَا مَنْ نَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ قَالَ إِنِّي أَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُونَ

(سورت بقرہ آیت ۳۰)

"اور یاد کرو جب تمہارے رب نے فرشتوں سے فرمایا: میں زمین میں اپنا نائب بنانے والا ہوں تو انہوں نے عرض کیا: کیا تو زمین میں اسے نائب بنائے گا جو اس میں فساد پھیلائے گا اور خون بہائے گا حالانکہ ہم تیری حمد کرتے ہوئے تیری تسبیح کرتے ہیں اور تیری پاکی بیان کرتے ہیں۔ فرمایا: بیشک میں وہ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے"[(20)]

نظم "تخلیق" سے:

اقبال نے اپنی نظم "تخلیق" میں کہا ہے کہ نئی دنیا نئے خیالات اور افکار سے پیدا ہوتی ہے۔ صرف پتھر اور اینٹ سے دنیا پیدا نہیں کی جاسکتی، اس سے مراد یہ ہے کہ پتھر کے تین حصے میں مکان تو بنائی جاسکتی ہیں لیکن دنیا میں نظام پیدا کرنے کے لیے افکار کی ضرورت ہوتی ہے۔ نئے افکار ہی سے پرانے نظام میں ارتقاءواقع ہوتی ہے، اور نئے دور کے خاکے میں رنگ بھرے جاسکتے ہیں۔ جن لوگوں نے خودی میں غوطے لگائے؛ انہوں نے عزم اور ہمت کی بدولت چھوٹی سی ندی سے ایسے سمندر پیدا کر لیے؛ جن کے کناروں کا کوئی سراغ نہیں مل سکتا۔ یعنی انسان کے عزم وہمت کی کوئی حد اور انتہا نہیں ہے۔ زمانے کی گردش پر وہی ہستی غلبہ پاسکتی ہے؛ جو ہر سانس سے عمر جاوداں پیدا کرسکنے کا حوصلہ رکھے، یعنی ایسے کارنامے سرانجام دے؛ جو اس دنیا میں برابر سورج کی طرح چمکتے ہوں اور زمانے کی کوئی گردش ان کی روشنی کو ماند نہ کرسکے۔ اقبال کہتے ہیں کہ ایشیا کی سرزمینوں میں جب سے خودی پر موت سی طاری ہوگئی، خدائی کے بھید جاننے والا بھی کوئی پیدا نہ ہوا یعنی کوئی ایسی شخصیت وجود میں نہ آئی؛ جس کے ذریعے خدا کے بھید معلوم کئے جائیں، اور آگے بڑھا ہو تہی دست و تہی دامانی کی صورت خودی سے بے خبری کی سبب ہے۔

خودی کی موت سے مشرق کی سرزمینوں میں

ہوا نہ کوئی خدائی کا راز داں پیدا

ہوائے دشت سے بوئے رفاقت آتی ہے

عجب نہیں ہے کہ ہوں میرے ہم عناں پیدا[21]

نتیجہ:

انسان کی سرشت میں کائنات پر چھا جانے اور اپنا مقام بنانے کا جذبہ اور دوسرے جذبات پر حاوی ہوتا ہے۔ اس کو اس بات کا علم ہے کہ وہ مسخر کائنات ہے۔ وہ اسرارِ کائنات اور ممکنات حیات کو اپنی صفات اور جوہر سے وجود میں لا سکتا ہے اور اس کو فاش کر سکتا ہے۔ اس کی زندگی کا منشاو مقصد ہی اپنی جہد وجہد سے ممکنات کو وجود میں لانا ہے، لیکن تسخیر ہی آدم کے مقام کو بلند کر سکتی ہے ورنہ توحید سے منکر انسان کی کوئی حیثیت نہیں۔ وہ خود مسخر ہو جائے یا وہ مقام و مرتبہ حاصل کر لے؛ جس کی اس کو توقع ہے۔ اس کے تسخیر کی حد یہ ہے کہ وہ ذات مطلق کی خودی کو مسخر کر کے اپنے سے اور اپنی خودی کو خدا کی خودی سے ہم آہنگ کرے۔

اقبال نے باقی مفکرین کے ساتھ مل کر یہ نتیجہ نکالا کہ شجر ممنوعہ دراصل شجرۃ الخلد کا علم تھا اور اس پھل کو کھانے سے روکنا دراصل آدم کو قبل از وقت انانیت سے ناواقف رکھنا تھا کیونکہ اس کے لیے ذہنی بالیدگی اور فرق و تمیز، محنت اور مشقت، شعور و خود آگاہی کا ہونا لازمی تھا اور جس کے لیے بتدریج مراحل سے گزرنا تھا، لیکن آدم اس تک ایک ہی جست میں پہنچنا چاہتا تھا اور پھر اس شجر ابدیت کا ثمر ممنوعہ کا کھانا زندگی کے ان اسرار کو پانا تھا؛ جس کے باعث وہ موت پر فوقیت رکھتا ہے یا نہیں؛ یعنی موت انسان کو ابدی نیند سے ہم کنار کرنا چاہتی ہے، تو انسان افزائش نسل کے ذریعے نئی زندگی کی نمو کرتا ہے؛ جس کے نتیجے میں نئے آدم کا ظہور ہوتا ہے اور اس طرح آدم کی فلاح و بقا کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔

حوالہ جات

1) https://www.rekhtadictionary.com/meaning-of-takhliiq?lang=ur

2)سورت الدھر آیت 2،ترجمہ کنز العرفان،تفسیر: صراط الجنان

3)الحجرات آیت ۱۳،ایضاً

4) https://www.rekhtadictionary.com/meaning-of-taskhiir?lang=ur

5)سورۃ النحل، آیت نمبر 12 ترجمہ کنز العرفان، تفسیر: صراط الجنان،ابو صالح محمد بن قاسم

6)سورۃ النازعات، آیات 27 تا 30،ایضاً

7)غلام دستگیر رشید، حکمت اقبال،(دکن: حیدر آباد،1945ء)،ص 32

8)ایضاً،ص 32

9)اقبال، ہمایوں مشمولہ بانگ درا،1986ء،ص 183

10)ایضاً،ص 134

11)پروفیسر ایم تقی خان، انسان اور کائنات فکر اقبال کی روشنی میں،(جولائی،2005ء)،ص 7

12)قرآن مجید، سورۃ العنکبوت، آیت نمبر 20-29

13)قرآن مجید، سورۃ الجاثیہ، آیت نمبر 13

14)ڈاکٹر ریحانہ جاوید، اقبال کا فکر و فن سماجی و سیاسی پس منظر میں،(2003ء)،ص 224

15)اقبال، بال جبریل (ساقی نامہ)،1982ء،ص 234

16)ایضاً،ص 205

17)ایضاً،ص 175

18)ایضاً،ص 341

19)جاوید اقبال، اقبال (تسخیرِ فطرت) پیام مشرق،(برقی ویب سائٹ ریختہ،1946ء)

20)سورۃ بقرہ، آیت نمبر 30، ترجمہ کنزالعرفان، تفسیر: صراط الجنان، ابو صالح محمد بن قاسم

21)اقبال، ضرب کلیم (تخلیق)، (1986ء)، ص148